

جہاد اور شرائطِ جہاد

سید جلال الدین عمری

جہادِ جنگ کے معنی میں

قرآن و حدیث میں جہاد کا لفظ جن معنوں میں آیا ہے اس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ اس کا استعمال عام طور پر قتال اور جنگ کے لیے ہوتا ہے۔ لغت کی مشہور کتاب 'القاموس المحیط' میں جہاد کے معنی 'القتال مع العدو' (دشمن سے جنگ) بیان ہوئے ہیں۔

لغتِ حدیث کے ماہر علامہ ابن اثیر کہتے ہیں۔

الجہاد محاربة الكفار	جہاد منکرین سے جنگ کو کہا
وهو المبالغة واستفراغ	جانا ہے۔ اس میں اپنی قوت اور
مافي الوسع والطاقة من	طاقت کے آخری حد تک استعمال کا
قول او فعل له	تصور ہے، چاہے وہ قول سے ہو
	یا عمل سے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس لفظ میں جدوجہد اور مشقت کا تصور ہے لیکن

۱۔ ملاحظہ ہو سہ ماہی تحقیقات اسلامی - اکتوبر - دسمبر ۱۹۹۵ء

۲۔ عبد الدین فیروز آبادی، القاموس المحیط، مادہ جہاد، ص ۲۵۰ - دار الفکر، بیروت لبنان ۱۹۹۵ء

۳۔ ابن اثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث، مادہ جہاد: ۱/۳۱۹ - دار احیاء التراث العربی بیروت،

نیز ملاحظہ ہو ابن منظور، لسان العرب، مادہ جہاد

شریعت میں اس کے معنی ہیں :

بذل الجہد فی قتال الکفار^۱ کفار سے قتال میں قوت صرف کرنا
 ملا علی قاری نے لغت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس میں جدوجہد اور مشقت
 کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :

شم غلب فی الاسلام علی پھر اسلام میں اس کا غالب استعمال
 قتال الکفار^۲ کفار سے جنگ کے لیے ہونے لگا۔
 قرآن مجید کی بکثرت آیات میں جہاد کا لفظ قتال کے معنی میں آیا ہے۔
 ایک جگہ قتال پر گفتگو کا آغاز ان الفاظ میں ہوا ہے۔

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ... (البقرہ: ۲۱۴) تم پر قتال فرض کیا گیا ہے۔
 یہ گفتگو اس آیت پر ختم ہوئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ الَّذِينَ هَاجَرُوا وَ جَاهَدُوا
 فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ وَ
 اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (البقرہ: ۲۱۸) اور مہربان ہے۔

اس میں واضح طور پر جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح قتال یا جنگ کے
 معنی میں استعمال ہوئی ہے۔

جنگِ احد کے پس منظر میں ارشاد ہے :

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا
 الْجَنَّةَ وَ لَمْ يَعْلَمِ اللَّهُ
 الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ
 وَ يَعْلَمُ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَقَدْ

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے
 جاؤ گے جب کہ ابھی تک اللہ نے
 ان لوگوں کو معلوم نہیں کیا ہے جو تم
 میں سے لڑنے والے ہیں اور ان لوگوں

۱ ابن حجر، فتح الباری: ۶/۷۷ - دارالفکر، بیروت ۱۹۹۶ء
 ۲ ملا علی قاری، مرآة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۷/۳۲۸ - دارالفکر بیروت: ۱۹۹۴ء

كُنْتُمْ تَمْتُونَ الْمَوْتَ
مِنْ قَبْلِ أَنْ تُلْقَوْهُمْ فَقَدْ
رَأَيْتُمُوهُمْ وَانْتُمْ تَنْظُرُونَ
(آل عمران: ۱۶۲، ۱۶۳)

کو نہیں معلوم کیا ہے جو نجات قدم رہنے
والے ہیں۔ تم اس سے پہلے (اللہ کی راہ
میں) مرنے کی تمنا کر رہے تھے اب تم
نے موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

یہ یوری بات جنگ کے سیاق میں کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اندر
سے ان جانبا زوں کو دیکھنا چاہتا ہے جو جہاد کے لیے نکلیں اور میدان کارزار میں
پامردی کا ثبوت دیں۔ اس سے پہلے تم لوگ اللہ کی راہ میں جان دینے کی آرزو
کر رہے تھے اور جان دینا چاہ رہے تھے۔ اب جب کہ اس کا موقع آیا اور
آنکھوں کے سامنے موت دکھائی دینے لگی تو تم کم زوری دکھا رہے ہو۔

جہاد کی فضیلت

یہ اور اس طرح کی بہت سی آیات میں دشمن سے جنگ اور مقابلہ کو جہاد
قرار دیا گیا ہے اور اس سلسلہ کے احکام اور ہدایات دی گئی ہیں۔ قرآن و حدیث
میں جہاد کی غیر معمولی فضیلت بیان ہوئی ہے، اس پر گناہوں سے مغفرت اور
جہنم سے نجات کا وعدہ کیا گیا ہے اور آخرت میں جنت کی ابدی نعمتوں اور
دنیا میں اقتدار اور سر بلندی کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
هَلْ أَدْرِكُمْ عَلَىٰ
تِجَارَةٍ يُنْجِيكُمْ مِنْ
عَذَابِ أَلِيمٍ هَلْ كُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ
وَأَنْفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ هَلْ يُغْفِرُ لَكُمْ

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں
ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں (آخرت
کے) دردناک عذاب سے نجات
دے۔ وہ یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اس
کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے
راستہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے
جہاد کرو۔ یہ تمہارے حق میں، اگر
تم جانو تو بہتر ہے (اس سے) اللہ تعالیٰ
تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں

ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور ہمیشہ کے باغات میں پاکیزہ مکانات دے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اس کے علاوہ ایک وہ چیز بھی ملے گی جو تم چاہتے ہو۔ وہ ہے اللہ کی مدد اور قریب کی فتح۔ اور مومنوں کو خوش خبری سنا دو۔

ذُؤِبُكُمُ وَيُدْخِلُكُمْ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي
جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ
مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِيرٌ
الْمُؤْمِنِينَ (الصف: ۱۰-۱۱)

احادیث میں جہاد کی غیر معمولی تفصیلت آئی ہے۔ اسے بہت سی نقل عبادات سے افضل اور برتر قرار دیا گیا ہے، اگر کسی وقت یہ فرض قرار پائے تو بعض دوسرے فرائض سے زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سا عمل ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے؟ آپ نے فرمایا تم اسے کہ نہیں سکو گے۔ دو یا تین بار یہی سوال کیا گیا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ فرمایا:

مثل المجاہد فی سبیل
اللہ کمثل الصائم
القائم العانت بایات
اللہ لا یفتّر من صیام
ولا صلوة حتی یرجع
المجاہد فی سبیل
اللہ تعالیٰ له

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اللہ کے راستہ میں ایک صبح یا ایک
شام گزارنا دنیا اور اس میں پانچ

الدنیا وما فیہا لہ جانے والی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔
امام احمد فرماتے ہیں کہ فرائض کے بعد جہاد سے زیادہ فضیلت والا عمل کوئی
دوسرا نہیں ہے بلکہ

ایک حدیث میں ایمان کے بعد جہاد کو سب سے افضل عمل کہا گیا ہے اور
حج کا ذکر جہاد کے بعد ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:
اللہ اور اس کے رسول پر ایمان دریافت کیا گیا، اس کے بعد کس عمل کی فضیلت
ہے؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔ اس کے بعد فضیلت والے عمل کے بارے
میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: حج مبرور، وہ حج جو خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو۔
جہاد میں آدمی اللہ کے راستے میں گھر بار چھوڑتا ہے۔ اسی طرح حج میں بھی وہ
اللہ ہی کی رضا اور خوشنودی کے لیے گھر سے نکلتا ہے، لیکن جہاد میں وقت
فرض عین ہو جائے اور محاذ جنگ پر جانا دوسرے فرائض کے مقابلہ میں زیادہ
اہم قرار پائے تو اسے حج پر ترجیح حاصل ہوگی۔

اسلامی ریاست کی سرحد کی حفاظت کس قدر باعثِ اجر و ثواب ہے،
حضرت سہل بن سعدؓ کی ایک روایت میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

رباط یوم فی سبیل اللہ	اللہ کے راستے میں سرحد کی حفاظت
حیر من الدنیا وما علیہا،	کے لیے ایک دن قیام کرنا دنیا اور
وموضع سوط احد کم من	اس کے اوپر پائی جانے والی سب
الجنة حیر من الدنیا	چیزوں سے بہتر ہے جنت میں تہا
وما علیہا، والروحة	کوڑے (کے برابر) جگہ دنیا اور اس

۱۔ بخاری، کتاب الجہاد والسر، باب الغدوة والروحة فی سبیل اللہ مسلم، کتاب الامارة، باب

فضل الغدوة والروحة فی سبیل اللہ۔ ۲۔ ابن قدامة، المغنی: ۱۰/۱۳

۳۔ بخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ افضل الایمان

بیروہما العید فی سبیل اللہ
 او الغدوۃ حنیر من
 الدنیا وما علیہا لہ
 کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔ اللہ کے
 راستہ میں بندہ ایک شام یا ایک صبح
 جو گزارتا ہے وہ دنیا اور اس کے سارے
 ساز و سامان سے بہتر ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس امر میں کوئی اختلاف نہیں
 ہے کہ ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے جہاد کرنا، حرم کعبہ، مسجد نبوی اور
 مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنے اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہنے سے افضل ہے۔

کیا جہاد نا حق خوں ریزی ہے

ان آیات اور احادیث میں جہاد پر جنت کی بے پایاں نعمتوں اور دنیا
 کی فتح و کامرانی کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اسے شب و روز کی نفل نمازوں اور
 مسلسل روزوں سے افضل قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ایک دن کا جہاد
 ساری دنیا کی دولت سے بہتر ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و
 احادیث ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جہاد کی یہ فضیلت، اس کی یہ ترغیب اور اس کا یہ
 اجر و ثواب کیا قتل و غارت گری، نا حق خوں ریزی اور ظلم و زیادتی کے لیے
 ہے؟ کیا یہ بات اسلام کی مجموعی تعلیمات سے میل کھاتی ہے؟ کوئی بھی غیر
 جانب دار شخص جس نے اسلام کا سرسری سامنا لیا ہے وہ اس کا تصور
 تک نہیں کر سکتا۔ اسلام، جس نے دنیا کو امن و سلامتی کا درس دیا، جس نے
 طبقوں اور گروہوں میں بڑی ہوئی نوع انسانی کو اخوت و مساوات کی راہ دکھائی،
 جس نے دنیا کو حقوق انسانی کے تصور سے آشنا کیا، جو ان حقوق کا سب
 سے بڑا وکیل ہی نہیں بلکہ پاسبان اور محافظ بنا رہا، کیا اسی نے جہاد کے حکم کے
 ذریعہ اپنی ہی تعلیمات پر خطِ تشیح کھینچ دیا؟ جس دین نے ظلم و زیادتی کے تمام راستے

۱۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ

۲۔ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/۵-۶۔ دارالعرفیۃ، بیروت لبنان ۱۳۹۸ھ

بند کیے تھے وہ جو زہرا کا علم بردار بن گیا؟
 بعض لوگ، ان تمام حقائق کو نظر انداز کر کے، جہاد کا نام آتے ہی اسلام
 کے خلاف زہرا گنتے لگتے ہیں کہ وہ جنگ پسند، خون خوار اور مخالف امن مذہب
 ہے۔ وہ دنیا میں امن و امان اور صلح و آسشتی قائم کرنے کی راہ میں سنگِ گراں ہے۔

ریاست کے لیے فوج کی اہمیت

جہاد کی ترغیب کو ایک خاص رخ سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ کسی بھی
 حکومت کے لیے فوجی یا عسکری طاقت ضروری ہے۔ وہ اس کی توانائی کا بڑا
 ذریعہ اور اس کے بقا کی ضمانت ہے۔ اس کے بغیر اس کا وجود ہی خطرے میں
 رہے گا بہت سی حکومتیں فوج ہی کے بل پر وجود میں آئیں اور قائم رہتی ہیں۔
 فوج ریاست کے داخلی فتنوں اور شرارتوں کو فرو کرتی اور بیرونی حملوں سے
 اس کی حفاظت کرتی ہے۔ وقت ضرورت بعض فلاحی اور رہاہی کاموں میں
 بھی اس سے مدد لی جاتی ہے، اپنی جان خطرے میں ڈال کر یہ خدمات
 انجام دیتی ہے۔ اس کے لیے اسے خاص طرح کی تربیت دی جاتی ہے مسلح
 کیا جاتا ہے، اس کی ہمت افزائی ہوتی ہے، اس کے حوصلے بلند رکھنے کی
 کوشش کی جاتی ہے اور اس کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ ان
 سب باتوں کو جائز بلکہ قومی اور ملکی مفاد میں ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن اسلام
 جب اللہ کے دین کی سر بلندی اور اسلامی ریاست کی حفاظت کو جہاد کہتا
 ہے، اس کی ترغیب دیتا اور اسے کارِ ثواب قرار دیتا ہے تو اعتراضات کی
 بوجھاؤ شروع ہو جاتی ہے کہ اسلام خون ریزی کی تعلیم دیتا اور خون آشامی کا چسکا
 لگاتا ہے۔

فوجی لحاظ سے مضبوط قوموں نے ظلم بھی کیا ہے

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات جب کوئی قوم فوجی لحاظ سے
 مضبوط ہوتی ہے تو کم زور قومیں اس کے جنگ جویانہ عزائم کی شکار بن جاتی ہیں۔

وہ انہیں روندتی اور کھیتی ہوئی اپنے اقتدار کو بڑھاتی ہے۔ اس کے دستِ جور سے انسانی خون پینے لگتا ہے۔ اس کے حدودِ سلطنت میں ظلم کی دنیا آباد ہوتی ہے، عدل و انصاف اور حق و صداقت کا سورج ڈوبنے لگتا ہے، تہذیب و تمدن کے چمک دار نقوش اپنی تابانی کھودتے ہیں۔ محکوم قوم کے ہر نشان کو مٹانے کی کوشش ہوتی ہے۔ خیر اور بھلائی کے بہت سے دروازے بند ہو جاتے اور شر کی نئی نئی راہیں کھل جاتی ہیں۔ یہ سب دنیا نے دیکھا ہے اور اب بھی یہ مناظر اس کے سامنے ہیں۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والوں کا رویہ

بعض لوگ اسلامی جہاد کو بھی اسی نوعیت کی توسیع پسندانہ اور مذموم کوشش قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جہاد ایک خطرناک مذہبی جنگ ہے۔ یہ مذہب کے نام پر ایک خونی کھیل ہے۔ یہ کھیل اس لیے کھیلا جاتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اور اپنے مخالفین کو بزورِ شمشیر تمام انسانی حقوق سے محروم کر دیا جائے اور انہیں محکوم اور غلام بنا کر رکھا جائے۔

بڑی حیرت ہے کہ یہ بات ان لوگوں کی زبان سے نکلتی ہے خود جن کا دامن ظلم و نا انصافی سے تار تار ہے، جن کی شقاوت اور درندگی سے بھیڑیے بھی شرماتے ہیں، جن کے بے رحم ہاتھ معصوموں اور بے گناہوں کے خون سے آلودہ ہیں، جن کے ظلم و ستم سے کم زور قومیں کراہ رہی ہیں، جو حقوق کی پاسبانی کے نام سے حقوق کی پامالی کی داستان رقم کر رہے ہیں۔ جن کو دنیا نے ظلم کے دوست اور انصاف کے دشمن کی حیثیت سے دیکھا ہے، جو محض طاقت کے زور سے ناحق کو حق اور ظلم کو عدل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پوری دنیا پر ایک خاص قسم کا نظامِ فکر و عمل مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

اسلام کا اور جہاد کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے جیسے دنیا بھر کے فتنہ و فساد، خون ریزی اور دہشت گردی کا وہی ذمہ دار ہے۔ یہ اپنا رویہ بدل دے تو دنیا ان چین اور راحت کی سانس لے سکتی ہے۔ جب تک اسلام اپنے تصورِ جہاد کے

ساتھ موجود ہے، فضا میں خطرات منڈلاتے رہیں گے اور موقع بہ موقع آگ برستی رہے گی۔

سوال یہ ہے کہ ماضی قریب میں دنیا نے دو بڑی جنگیں دیکھیں اور ان کی تباہی و بربادی کا اسے تجربہ بھی ہوا، کیا یہ جنگیں اسلام نے برپا کی تھیں یا ان کے سلسلہ میں اسلام کہیں زیرِ بحث تھا؟ اس وقت پوری دنیا، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہے۔ ہر طرف خوف و دہشت اور اندیشوں کا ماحول ہے۔ کہیں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور کہیں جنگ کی فضا پائی جاتی ہے۔ امریکہ اور روس دنیا کی دو سپر طاقتیں سمجھی جاتی تھیں۔ ان کے درمیان نصف صدی تک سرد جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ انھوں نے جس بڑے پیمانے پر جنگی تیاری کی اور جس طرح کے تباہ کن اسلحے جمع کیے، ماضی میں شاید اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ہے۔ ان کی سرپرستی میں دنیا عملاً دو بلاکوں میں تقسیم ہو گئی اور ہر ایک نے اپنے بلاک کو دوسرے بلاک کے خلاف مسلح کرنا شروع کر دیا۔ روس کی شکست و ریخت کے بعد اب تنہا امریکہ کو قیادت کا مقام حاصل ہے۔ وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اس کے خلاف بولنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے۔ وہ پوری دنیا کو معاشی، سیاسی اور تہذیبی ہر لحاظ سے کنٹرول کر رہا ہے۔ جو اس سے اختلاف کرے وہ اس کے نزدیک دہشت گرد اور سب سے بڑا مجرم ہے۔ اسے زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔ وہ ہر مخالفت کو صفحہ زمین سے مٹا دینا چاہتا ہے اور جسے مٹا سکتا ہے اسے مٹا دیتا ہے۔

اس وقت امریکہ اور اس کے حلیف مغربی ممالک دفاع کے خوب صورت نام سے جس بڑے پیمانے پر جنگی تیاری کر رہے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۲۰۰۰ - ۱۹۹۴ء میں امریکہ کا دفاعی بجٹ دو سو ستر سٹھ بلین سے زیادہ (267.76n) کا تھا۔ برطانیہ جو امریکہ کے مقابلہ میں ایک چھوٹی طاقت ہے اس کا دفاعی بجٹ سینتیس بلین کے قریب (36.884 bn) تھا۔ فرانس کا بجٹ تقریباً چالیس بلین (39.83bn) تھا۔ جرمنی کا تیس بلین سے زیادہ (32.8 bn) تھا۔ اسرائیل جو ہندوستان کے ایک صوبہ کے برابر بھی نہیں ہے، جس کی پرورش

امریکہ اور مغربی ممالک کر رہے ہیں۔ جنگی تیاری پر اپنے کل بجٹ کا (21.4%) صرف کر رہا ہے جو آٹھ بلین سے زیادہ (8.7bn) ہے۔

اس میں وہ رقمیں شامل نہیں ہیں جو بعض دوسرے مدت کے تحت خرچ کی جاتی ہیں اور بالواسطہ دفاعی ضروریات کی تکمیل کرتی ہیں ان میں سے ایک ایک ملک کا بجٹ بہت سے غریب اور ترقی پذیر ممالک کے کل بجٹ سے بھی بہت زیادہ ہے۔ لیکن وہ بھی دفاع پر خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔ ہندوستان چین کے بعد دنیا کی دوسری بڑی آبادی اور عظیم جمہوریت ہے۔ اس کا کل بجٹ (73.6bn) تقابلیہ امریکہ کے محض دفاعی بجٹ کا تقریباً 1/10 ہے۔ ہندوستان نے اپنے بجٹ کا 17.5% دفاع پر صرف کیا۔

اس خوفناک جنگی تیاری اور اس پر بے تحاشا اربوں ڈالر کے خرچ کے دو اسباب ہیں۔ ایک سبب آپس کا خوف، اندیشہ اور بدگمانی ہے کہ کہیں حریف طاقت ہم پر حملہ نہ کر بیٹھے، دوسرا سبب غلبہ اور تسلط کی خواہش اور دوسروں کو زیر کرنے اور مغلوب رکھنے کا جذبہ۔ ان گھناؤنے ارادوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اسلام، اسلامی جہاد اور اسلامی دہشت گردی کے الفاظ اس طرح استعمال ہوتے ہیں جیسے یہ سب کچھ اس سے بچنے اور اسے ختم کرنے کے لیے ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بولہو بچہ است

جہاد کے حدود و شرائط

جو لوگ اسلام کے تصور جہاد کو ہدف تنقید بناتے ہیں وہ یہ جانتے نہیں یا جانتا نہیں چاہتے کہ درحقیقت جہاد ہے کیا؟ جہاد کا حکم کس کے لیے ہے؟ اس کے مخاطب کون ہیں؟ یہ کن حالات میں فرض قرار پاتا ہے؟ اور کب اس کی فرضیت جواز میں تبدیل ہو جاتی ہے؟ اور کب اس کا جواز ختم ہو جاتا ہے؟

۱۵ یہ اعداد و شمار ۲۰۰۰-۱۹۹۹ء کے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔
C.I.A. Fact book .
at <http://odci.jov/cia/Publications/FactBook>.

اس کے شرائط و آداب کیا ہیں؟ پھر آج کے دور میں احکام جہاد کا انطباق کس طرح ہوگا؟ جب تک یہ تمام پہلو ابھی طرح واضح نہ ہو جائیں، جہاد اور اس سے متعلق احکام اور ان کے پیچھے کارفرما حکمت و معنویت سمجھی نہیں جاسکتی۔

جہاد کا تعلق فرد اور ریاست دونوں سے ہے۔ ایک مسلمان کسی غیر اسلامی ریاست کا شہری ہو تو اس کے احکام الگ ہیں، اگر وہ اسلامی ریاست کا باشندہ ہے تو اس کے احکام جدا ہیں۔ اسی طرح اسلامی ریاست کا معاملہ غیر اسلامی ریاست کے ساتھ کیسا، نہیں ہوگا بلکہ ان سے تعلقات کی نوعیت پر منحصر ہوگا۔ ان کے احکام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

غیر اسلامی ریاست میں جہاد نہیں ہے

جو مسلمان کسی غیر اسلامی ریاست کا شہری ہے اور وہاں اُسے دین کے اظہار و اعلان اور دعوت و تبلیغ کے مواقع حاصل ہیں تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کے دین پر قائم رہے اور دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیتا رہے۔ اس راہ میں جو مشکلات پیش آئیں انھیں صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کرے۔ اگر کسی ملک میں اس کے مواقع ہی موجود نہ ہوں تو جہاں مواقع ہوں وہاں ہجرت کر جائے کسی غیر اسلامی ملک میں رہتے ہوئے جہاد کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ

اللہ کے رسولوں کا نمونہ عمل

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جن قوموں میں مبعوث ہوئے وہ کفر و شرک میں مبتلا تھیں اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی قائل نہیں تھیں۔ وہ اس سے بے نیاز ہو کر اپنی خود ساختہ راہوں پر چل رہی تھیں۔ باپ دادا کے طریقے اور قدیم روایات

لے ہجرت کس وقت لازم قرار پاتی ہے، کب اس کا جواز رہتا ہے اور موجودہ بین الاقوامی حالات میں ہجرت کے کیا امکانات ہیں؟ اس پر تفصیل سے بحث اس سے پہلے کر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جنوری۔ مارچ ۲۰۰۱ء، عنوان ”غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیت کا شرعی موقف“

اُن کے لیے سنہ کا درجہ رکھتے تھے۔ اُن سے وہ ہٹنا نہیں چاہ رہی تھیں۔ ان قوموں میں اللہ کے رسولوں نے اس کے دین پر جس طرح عمل کیا اور اس کے احکام کی جس طرح پابندی کی اس سے یہ راہ نائی ملتی ہے کہ کسی غیر اسلامی ماحول یا غیر اسلامی ملک میں ایک صاحبِ ایمان کا رویہ کیا ہونا چاہیے اور اُسے کیسی زندگی گزارنی چاہیے؟

قرآن مجید نے اللہ کے پیغمبروں کی تاریخ۔ کسی پیغمبر کی اختصار سے اور کسی کی تفصیل سے۔ بیان کی ہے۔ یہ تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں نے اس کے دین کی دعوت دی تو بہت تھوڑے لوگ اس پر ایمان لائے اور ان کا ساتھ دیا۔ برسرِ اقتدار طبقہ نے اور اس کی اتباع میں اکثریت نے مخالفت شروع کر دی۔ وقت کے ساتھ یہ مخالفت شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی۔ انھیں ہر طرح کی اذیتیں دی گئیں اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ انھیں دھکی دی گئی کہ وہ دینِ کفر و شرک اختیار کر لیں ورنہ انھیں ملک بدر کر دیا جائے گا۔ حضرت شعیبؑ سے کہا گیا:

لَنْ نُخْرِجَنَّكَ يَشْعُوبُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ
قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي
مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا
كَرِهِينَ ۝

ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ
ایمان لائے ہیں انھیں ضرور اپنی بستی
سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے
دین میں لوٹ آؤ۔ شعیب نے کہا
(کیا تم ہمیں اس کے لیے مجبور کر دو گے)
اگر ہم اسے (دلیل کی بنا پر) ناپسند ہی
کر رہے ہوں۔

(اعراف: ۸۸)

حضرت لوطؑ کی دعوتِ توحید اور اخلاقی تعلیم کا جو ردِ عمل سامنے آیا وہ یہ تھا:

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ
إِلَّا أَنْ قَالُوا أَأَخْرَجُوا
أَل لُّوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ
أَنَاسٌ يَشْكُرُونَ ۝ (زلزلہ: ۵۶)

اس کی قوم کا جواب بس یہ تھا
کہ انھوں نے کہا لوط کے گھر والوں کو
انہی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ
بہت پاک بنتے ہیں۔

یہ صورتِ حال اور پیغمبروں کے ساتھ بھی پیش آئی، چنانچہ ایک جگہ عمومی انداز میں کہا گیا ہے :

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ
مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ
فِي مَلَّتِنَا فَآؤْ حَىٰ إِلَيْهِمْ
رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝
جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار
کی انہوں نے اپنے رسولوں سے
کہا کہ ہم یقیناً تمہیں اپنی ہستی سے
نکال دیں گے۔ اس پر ان کے رب
نے ان پر وحی نازل کی کہ ہم ضرور
ظالموں کو ہلاک کریں گے۔
(ابراہیم: ۱۳)

بعض اوقات پیغمبروں کے قتل کے منصوبے بھی تیار ہوئے، اہمفیس ہجرت بھی کرنی پڑی۔ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کا بطور خاص ذکر موجود ہے۔ (الصافات: ۹۹) جن قوموں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت کو بالکل ٹھکرا دیا اور انہیں ہلاک کرنے کے درپے ہو گئے ان پر اللہ کا عذاب آیا اور وہ تباہ کر دی گئیں۔ اللہ کے رسول اور ان کے ساتھی اس سے محفوظ رہے۔ ایک جگہ اللہ کے رسولوں کی مخالفت اور اس کے انجام کا ذکر چند نفلوں میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ
فَجَاءَهُمْ وَهُمْ بِآيَاتِنَا
فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ
أَجْرُمُوا ۗ وَكَانَ حَقًّا
عَلَيْنَا لَنُصَوِّمُ الْمُؤْمِنِينَ ۝
ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول
ان کی قوموں کے پاس بھیجے۔ وہ
ان کے پاس دلائل کے ساتھ پہنچے
(لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کر دی)
تو ہم نے ان لوگوں سے جو مجرم تھے
انتقام لیا (اور اہل ایمان کی مدد کی)
ہم پر حق تھا کہ اہل ایمان کی مدد کریں۔
(الردم: ۴۷)

یہ سب کچھ ہوا لیکن کسی پیغمبر اور اس کے ماننے والوں کو اپنی قوم کے درمیان رہتے ہوئے نہ تو جہاد کا حکم دیا گیا اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہی ہے کہ انہوں نے جہاد کیا۔ اس کے سمجھنے میں ہمیں حضرت موسیٰؑ کی سیرت سے

خاص طور پر رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ کی سیرت سے راہنمائی

حضرت موسیٰ کی دعوت توحید کو فرعون نے یہ سمجھا کہ یہ اسے اقتدار سے بے دخل کرنے کی کوشش ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے معجزات دیکھنے کے بعد اس نے اپنے درباریوں سے اور اعیان سلطنت سے اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا۔

فِرْعَوْنُ نَعَىٰ سَرَادِرٍ
 هَذَا لَلْمَلَا حَوْلَهُ اِنَّ
 جِوَّاسَ كَسَّ اَسْوَاسًا
 بَعْدَ اَنْ يُّصْرِحَ لَكُمْ مِنْ اَنْزِكُمْ
 بَعْدَ اَنْ يُّصْرِحَ لَكُمْ مِنْ اَنْزِكُمْ
 فرعون نے ان سرداروں سے
 جو اس کے آس پاس تھے کہا کہ
 بے شک یہ علم رکھنے والا جادوگر
 ہے۔ یہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں
 اپنی زمین سے نکال دینا چاہتا ہے۔
 (الشعراء: ۵۹۳)

تو اب تمہاری کیا رائے ہے؟

فرعون کے درباریوں اور اس کی قوم کے سرداروں نے بھی یہی کہا کہ موسیٰ اور ان کی قوم، آپ کے اور آپ کے مبعودوں کے خلاف ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں اس کا موقع دینا اور صرف نظر کرنا بڑی نادانی ہوگی۔ اس فکر مندی کے جواب میں فرعون نے کہا۔ گھبرانے اور پریشان ہونے کی بات نہیں۔ ہم ان کی نسل ہی کا خاتمہ کر دیں گے اور انھیں کچل کر رکھ دیں گے۔ یہ ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

فِرْعَوْنُ نَعَىٰ سَرَادِرٍ
 كَوْتَلُ كَرِيْمٍ اَوْرَانِ كِي عَوْرَتُوْنَ
 كُو زَنْدَه رَكْهِيْن كِي
 اَوْر قُوْت حَاصِل هِي
 قَالَ سَقَمْتُ اَبْنَاءَهُمْ
 وَكَسْتُنِي بِنِسَاءَهُمْ
 اِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ
 (الاعراف: ۱۲۷)

اس سے پہلے بھی فرعون ہی کچھ کر رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب اسے مزید زور اور قوت سے جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

جہاد اور شرائط جہاد

ساحران مصر نے بھی شروع میں یہی کہا تھا کہ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ جادوگر ہیں اور اپنے جادو کے زور سے آپ کو ارض مصر سے نکال باہر کرنا اور آپ کی روایا اور پسندیدہ طریقوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں (طہ: ۶۳) لیکن جلد ہی ان جادوگروں پر یہ حقیقت کھل گئی کہ حضرت موسیٰؑ ساحری کا کرتب نہیں دکھا رہے بلکہ اللہ کی طرف سے معجزات پیش فرما رہے ہیں۔ وہ آپ پر کھل کر ایمان لے آئے۔ اس پر فرعون طیش میں آگیا اور انھیں ہاتھ پیر کاٹ کر مشلہ کرنے اور تختہ دار پر لٹکانے کی دھمکی دی لیکن ان کے پائے ثبات میں نفز شس نہ آئی (طہ: ۶۵-۷۳) کہا جاتا ہے کہ سولی دینے کا رواج اسی سے شروع ہوا۔

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی دعوت کو تبدیلی دین اور فساد فی الارض کی کوشش قرار دے کر انھیں قتل کرنے کا ارادہ کیا اور کہا۔

رَدُّوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوسٰٓى	مجھے چھوڑو موسیٰ کو قتل کر ڈالو۔
وَلْيَدْعُ رَبَّهُۥٓ اِنَّ اَحٰٓٔ	اسے اپنے رب کو (مدد کے لیے)
اَنْ يُبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ	پکارنا چاہئے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں
يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝	وہ تمہارا دین تبدیل دے یا زمین
(غافر: ۲۶)	میں فساد برپا کر دے۔

ایک مردِ مومن نے فرعون اور اس کے درباریوں کو اس ناروا اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی اور اس کے انجام بد سے آگاہ کیا۔ (غافر: ۲۸) اس طرح حضرت موسیٰؑ کی دعوت کو فرعون نے اپنے دین و مذہب، اپنی روایات اور اپنے اقتدار کے لیے ایک چیلنج تصور کیا۔ یہی بات اپنی قوم کو سمجھائی، قوم نے بھی اس سے اتفاق کیا اور اس کا ساتھ دیا۔ بنو اسرائیل پر اس کی سختی اور ظلم و زیادتی جاری رہی۔ حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے حکم سے فرعون کے سامنے مطالبہ رکھا کہ وہ بنو اسرائیل پر جو عذاب ڈھا رہا ہے اسے ختم کرے اور بنو اسرائیل کو مصر سے باہر نکال کر لے جانے کی اجازت دے۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت دی اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

فَاْتِيْهِمْ فَعُوْلًاۙ اِنَّا رَسُوْلًاۙ اے موسیٰ اور ہارون تم دونوں فرعون

رَبِّكَ فَادْرَسْ مَعَنَا بِنِي
 إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ
 وَتَدْعُ جِبْتِكَ بِآيَةِ مِّنْ
 دَرِيكَ ط وَالسَّلَامُ عَلَيَّ
 مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ۝

کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم میرے رب کی
 طرف سے بھیجے گئے ہیں۔ ہمارے ساتھ
 بنو اسرائیل کو بھیج دے۔ ہم تیرے پاس
 تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر
 آئے ہیں۔ سلامتی ہے اس پر جو ہدایت
 کی پیروی کرے۔ (ط: ۴۷)

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو اس کی اجازت نہ دی۔ حضرت موسیٰؑ اللہ واحد
 کی بندگی اور اطاعت کی جو دعوت دے رہے تھے وہ بڑی جاندار تھی۔ دلائل
 کے میدان میں فرعون انھیں شکست نہ دے سکا، اس وجہ سے خود فرعون کی
 قوم کے افراد بھی حضرت موسیٰؑ پر ایمان لارہے تھے۔ اس نے ان سب کو تشدد
 اور ظلم و زیادتی کا نشانہ بنایا۔

حضرت موسیٰؑ نے اس طویل دورِ شدائد اور سخت کشمکش کے ماحول میں
 نبی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے اور اس سے استنانت کی ہدایت
 فرمائی۔ قوم کا حوصلہ بڑھایا اور کہا کہ فرعون کے اقتدار سے ہر سال ہونے کی
 کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آج بے نکل ختم ہو سکتا ہے۔ تمہاری مظلومی بھی
 ہمیشہ نہیں رہے گی۔ یہ دن بھی گزر جائیں گے۔ قرآن کے الفاظ میں:

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ
 اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا
 إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ قَدْ يُورِثُهَا
 مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
 وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا
 کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔
 بے شک زمین اللہ کی ہے۔ وہ
 اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے
 اس کا وارث بنا دیتا ہے اور (بہتر)
 انجام متقیوں کے لیے ہے۔ (الاعراف: ۱۲۸)

فرعون کی سختی اور جو رولتشدد پر آپ نے قوم سے کہا کہ وہ اللہ پر اعتماد اور
 توکل کا مظاہرہ کرے۔ یہی دین و ایمان کا تقاضا ہے۔
 وَقَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ كُنْتُمْ

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا
 اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ (یونس: ۸۴)

لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اس
 پر توکل اور بھروسہ رکھو۔ اگر تم فرماؤ بڑا بڑا۔

اس کے نتیجے میں قوم اللہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

فَقَالُوْا عَلٰی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا
 رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ

پس انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی
 پر توکل کیا ہے۔ (اے ہمارے رب میں

الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ
 مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝

ظالم قوم کے ظلم و ستم کا نشانہ نہ بنا دے
 اور اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات

(یونس: ۸۵-۸۶) دے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو حکم ہوا کہ بنو اسرائیل کے لیے چند مکانات
 مخصوص کر دیں جن میں وہ نماز باجماعت کا اہتمام کریں ان کی تعمیر اس طرح ہوئی
 کہ ان کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا (یونس: ۸۷) ان مکانات کی حیثیت
 مساجد کی تھی۔ یہ ان کی شیرازہ بندی کی تدبیر تھی۔ اسی سے انہیں بکھرنے اور
 منتشر ہونے سے بچایا جاسکتا تھا۔ بالآخر وہ مرحلہ آیا جب کہ حضرت موسیٰ ایک
 خاص منصوبے کے تحت اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے، دریائے نیل پار کیا، فرعون
 اور اس کی قوم نے آپ کا تعاقب کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غرق
 ہو گئے۔ (البقرہ: ۵۰، الشعراء: ۵۷-۶۴)

حضرت موسیٰ جب تک مصر میں رہے اپنی قوم کی اصلاح و تربیت کے
 لیے جو اقدامات ممکن تھے سب کیے۔ انہیں اللہ کی عبادت، اس کے احکام
 کی اطاعت اور اس کے دین پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی اور جب حکم
 ہوا پوری قوم کو لے کر مصر سے نکل گئے۔ لیکن مملکت فرعون میں رہتے ہوئے
 فرعون سے جہاد کا فیصلہ نہیں کیا اور اس کے لیے کسی قسم کی فوجی اور عسکری
 تیاری کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک غیر اسلامی ملک میں
 اس کے مواقع اور حالات نہیں تھے اس لیے وہ اس کے مکلف بھی نہیں تھے۔
 بعد کے ادوار میں بنو اسرائیل نے اللہ کے حکم سے جنگیں کیں۔ ان کا ذکر
 قرآن میں ہے۔ یہ جنگیں ایک آزاد قوم کی حیثیت سے لڑی گئی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کا اسوہ

یہی صورت حال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئی۔ بعثت کے بعد آپ مکہ میں تیرہ (۱۳) سال رہے۔ اس مدت میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو سخت ترین حالات سے گزرنا پڑا۔ طنز و تعریض، تحقیر و تذلیل، ذہنی اذیت رسانی، قید و بند، زد و کوب، قتل، معاشی اور معاشرتی مقاطعہ، سب کچھ پیش آیا۔ بہت سے اصحاب نے آپ کے مشورے سے ایک سے دو بار عبثہ ہجرت کی۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں کی جانے لگیں، آپ کو ہمدرد افراد اور قبائل سے مدد کی درخواست کرنی پڑی۔ بعض اوقات یہ مدد حاصل بھی ہوئی، اس پوری مدت میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار کرنے، دین پر مضبوطی سے قائم رہنے، اس کی دعوت دینے، اعلیٰ اخلاق اختیار کرنے ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، عفو و درگزر سے کام لینے، صبر و ثبات اور استقامت کا ثبوت دینے اور جلد بازی سے احتراز کرنے کی تعلیم و تلقین کی جاتی رہی۔ اسی کو کلیدِ فتح و نصرت قرار دیا گیا۔ یہاں صرف ایک حوالہ پیش کیا جا رہا ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ
حَقٌّ وَّ لَا يَسْتَخْفٰنَكَ
الَّذِيْنَ لَا يُؤَقِنُوْنَہ (الروم: ۶۰)

پس صبر کرو۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے، تمہیں ہرگز ہلکا نہ پائیں۔

مکہ میں شروع سے آخر تک اسی رخ سے تربیت ہوتی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تلوار اٹھانے اور جہاد کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جب ایک آزاد اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو جہاد کی اجازت ان الفاظ میں دی گئی۔

اُدِّنَ لِلَّذِيْنَ يُفْتَكِدُوْنَ
بِآثْمِهِمْ ظَلْمًا وَّ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ

وہ لوگ جن سے جنگ کی جارہی ہے انہیں بھی جنگ کی اجازت دی گئی اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا ہے

لَقَدِیْرُوْہ (الحج: ۳۹) اور اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔
امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جہاد کی اولین اجازت ہجرت کے بعد ملی
تھی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

اول ما شرع الجہاد
بعد الهجرة النبویة الی
المدینة اتفاقاً لہ
مدینہ کی طرف ہجرت نبوی کے
بعد پہلی بار جہاد شروع ہوا۔ اس پر
سب کا اتفاق ہے۔

مکہ اور مدینہ میں اس فرق کے دو خاص اسباب ہیں: ایک یہ کہ جہاد کے
لیے سیاسی قوت و اقتدار اور باقاعدہ عسکری نظام کی ضرورت ہے۔ یہ ریاست
ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ مکہ میں مسلمان ایک غیر اسلامی اقتدار کے تحت زندگی گزار
رہے تھے۔ انھیں یہ سیاسی اقتدار اور قوت حاصل نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے
کہ کسی بھی ریاست کے اندر تلوار اٹھانے کا لازمی نتیجہ خانہ جنگی اور فساد کی شکل میں ظاہر
ہوگا۔ اس کی لپیٹ میں صرف سیاسی اور فوجی قوت ہی نہیں بلکہ شہری آبادی بھی
آئے گی، ناحق خوں ریزی ہوگی، بے گناہ اور معصوم افراد مارے جائیں گے عام
انسانی حقوق پامال ہوں گے اور ان حدود و قیود کی پابندی نہ ہو سکے گی، جن کی
پابندی کا اسلام حالت جنگ میں بھی حکم دیتا ہے۔ یہ فساد فی الارض ہے۔ اس سے
کوئی اعلیٰ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ (باقی)

لہ ابن حجر، فتح الباری، ۱۲۰/۶۱

اسلامی معاشرت پر مولانا سید جلال الدین عموی کی ایک قیمتی اور اہم کتاب

مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں

صفحات: ۶۰ قیمت: ۸ روپے

اس وقیع کتاب کا انگریزی ترجمہ

MUSLIM WOMEN: ROLE AND RESPONSIBILITIES

کے نام سے شائع ہوا ہے۔ انگریزی جاتے والے تارین کے لیے ایک تحفہ: قیمت: ۲۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پلو، علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۲